بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

نظرات

مسلمانوں کے تمام فرقوں میں بلا کسی استثناء کے قرآن مجید کا اللہ کی کتاب ہونا اور حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کا اللہ کا رسول ہونا مسلّم ہے۔ اور دین اسلام کے یہ دو بنیادی معتقدات ہیں جن پر کہ سب مسلمانوں کا اتفاق ہے۔ اس میں شک نہیں کہ قرآن مجید کی تعبیر و تشریح میں مختلف فرقوں نے مختلف راہیں اختیار کیں، بلکہ بسا اوقات ایک ہی فرقے کے مختلف اہل الرائے نے قرآن مجید کی تفسیر میں ایک دوسرے سے اختلاف کیا ہے۔ اسی طرح رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات اقدس اور آپؐ کے معمولات، ارشادات اور احکام کے متعلق جو کچھ روایت کیا گیا ہے، اس میں بھی کچھ نہ کچھ اختلاف ہے اور باوجود یہ ماننے کے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سب مسلمانوں کے لئے "اسوۂ حسنہ" ہے۔ ہر فرقے کے اس "اسوۂ حسنہ" کی اپنی اپنی تعبیر کی ہے اور اس سے متعلق بعض روایات کو مانا ہے اور بعض کا انکار کیا ہے۔

آج ضرورت سب مسلمان فرقوں کو ایک دوسرے سے قریب کرنے اور تمام کو ایک ملت اسلامیہ کے وسیع دائرے کے اندر یکساں حیثیت سے لانے کی ہے۔ اور یہ صرف بطور مسلمان ہونے کے، جو ایک اللہ، اللہ کی ایک کتاب اور اللہ کے ایک رسول کو مانتے ہیں، فرض نہیں، بلکہ دنیا میں جس طرح بڑی بڑی وحدتیں بن رہی ہیں، کیونکہ اس کے بغیر آج اس دور میں کوئی قوم اور کوئی ملک اپنے آپ کو محفوظ نہیں پاتا، اس کے پیش نظر بھی یہ ضروری ہے کہ مسلمانوں میں آپس میں فرقہ وارانہ عقائد کی بنا پر منافرت اور مخاصمت نہ رہے اور اسلام ان کے لئے وجۂ اتحاد و اتفاق ہو نہ کہ تفرقہ اور عداوت کا باعث۔

اس وقت صورت یہ ہے کہ جہاں تک معروضی (OBJECTIVE) حالات کا تعلق ہے، وہ سب

مسلمانوں سے اگلے پچھلے فرقہ وارانہ نزاعات واختلافات سے بالاتر ہو کر متحد ہونے کا تقاضا کر رہے ہیں، لیکن موضوعی (SUBJECTIVE) کوائف ایسے ہیں، جو اس راہ میں رکاوٹ بنے ہوئے ہیں۔ فضا اتحاد کے لئے سازگار ہے۔ سیاسی، معاشی اور تاریخی عوامل اس کے حق میں ہیں لیکن مذہبی فرقوں میں اثر و رسوخ رکھنے والے بہت سے افراد ابھی اس کے لئے تیار نہیں۔ اور وہی اس اتحاد کا راستہ روکے ہوئے ہیں۔ معروضی حالات کو موضوعی حالات پر قابو پانا ہے۔ اور یہ جس قدر جلد ہو، اچھا ہے۔ ہر فرقے کا صرف اپنے آپ کو پوری ملّتِ اسلامیہ سمجھنا اور دوسروں کو خارج از ملّت قرار دینے پر اصرار کرنا اب نہیں چل سکے گا۔ پُرامن بقائے باہمی کا اصول ہمیں ملّت کے معاملے میں بھی تسلیم کرنا ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن مجید اور اللہ کے رسول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، یہ دو اساس ہیں، جن پر ملّتِ اسلامیہ کی وحدت کی عمارت کھڑی کی جاسکتی ہے اور اس میں ہر مسلمان فرقہ اپنی تاریخی و روایتی خصوصیات قائم رکھتے ہوئے داخل ہو سکتا ہے۔ یہاں قدرتاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن کو کس طرح سمجھا اور سمجھایا جائے اور رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اسوۂ حسنہ یا سنت کو کیسے پیش کیا جائے کہ اس سے جیسا کہ اکثر ہوتا رہا ہے۔ فرقہ وارانہ اختلافی بحثیں نہ اٹھیں، بلکہ ملّت کی اجتماعیت کو تقویت ملے اور مسلمان اس کی بدولت متحد ہوں۔

قرآن اللہ کی کتاب ہے۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اترا۔ اور جیسا کہ کہا گیا ہے قرآن ہی رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سب سے بڑا معجزہ ہے۔ آپؐ نے اس کے ذریعہ سب سے پہلے 'اُمّ القریٰ وَمَنْ حولھا' کو ڈرایا۔ یہ لوگ اپنے آپ کو ملّتِ حنیفی سے منسوب کرتے تھے اور اس کے شعائر کو اچھا سمجھتے تھے، لیکن ان کا عمل اس کے خلاف تھا۔ قرآن نے ان کے غلط مزعومات اور بُرے اعمال کی مذمت کی، اور انہیں صحیح معنوں میں حنیفی بننے کی تلقین فرمائی۔ اسی طرح قرآن نے یہود، نصاریٰ اور منافقین کو خطاب کیا۔ ان کی بے راہ رویاں گنائیں۔ اور انہیں اصلاحِ احوال کی دعوت دی۔

اب نہ وہ مشرکینِ مکہ ہیں، اور نہ وہ یہود و نصاریٰ اور منافقین، جو قرآن کے اوّلین مخاطب تھے۔ اور جن کی ہدایت کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جدّوجہد فرماتے رہے، لیکن وہ عقیدے، خصلتیں اور اعمال اب بھی موجود ہیں، جو اِن لوگوں کے تھے۔ قرآنی تعلیمات کا مقصود دراصل ان کی بیخ کنی ہے

بقول حضرت شاہ ولی اللہ، قرآن مجید کی تلاوت کے وقت یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ یہ جو مشرکین، یہود، نصاریٰ اور منافقین کو مخاطب کیا گیا ہے، یہ لوگ ایک زمانے میں تھے، جو گزر گیا، بلکہ یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ زمانۂ نبوت میں کوئی بلا ایسی نہ تھی، جو آج موجود نہ ہو۔ قرآن کا مقصد کلیات کا بیان ہے نہ کہ خاص ان واقعات کا۔ حکیم حقیقی درحقیقت امراض نفسانی کے بیماروں کا معالجہ کرنا، ان کے طبائع و ملکات کو تقویت دینا اور کے ہاں جو خرابیاں ہوتی ہیں، ان کا ازالہ کرنا چاہتا ہے، چنانچہ قوموں اور ان کی عادات کے اختلاف اور ہر زمانے کے مشہورات و مسلّمات کی وجہ سے حکیم حقیقی کا طریقہ علاج و اصلاح مختلف ہوتا ہے۔ اس اختلاف کی مثال اس طبیب کے اختلاف معالجہ کی ہے، جب دو مختلف الحال مریضوں کا علاج کرتا ہے: ان میں سے ایک کے لئے وہ سرد دوائیں و غذائیں تجویز کرتا ہے۔ اور دوسرے کے واسطے گرم غذا اور دوا کا حکم دیتا ہے۔ طبیب کی غرض دونوں جگہ ایک ہی ہے۔ یعنی طبیعت کی اصلاح اور ازالۂ امراض۔

یہود اور نصاریٰ کے ضمن میں قرآن مجید نے ایک اور امر کی بھی بار بار صراحت کی ہے۔ وہ نجات اُخروی کے لئے استحقاق کی شرط ضروری قرار دیتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ کسی کا یہودی اور نصرانی ہونا اس کی نجات کے لئے کافی نہیں۔ بے شک وہ شفاعت کا انکار نہیں کرتا، لیکن انبیاء کی اپنی امتوں کے لئے شفاعت کو مشروط مانتا ہے۔ اس بارے میں شاہ صاحب لکھتے ہیں: ہر مذہب میں اس کے ماننے والے میں جو فاسق ہو اور اس کا انکار کرنے والے میں جو کافر ہے، فرق کیا گیا۔ انکار کرنے والے کافر کے لئے مانا گیا ہے کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ کے عذاب شدید میں رہے گا، اور ماننے والے فاسق کے لئے جائز رکھا گیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی شفاعت سے دوزخ میں سے نکال لیا جائے گا۔ اس آخری امر کا اثبات ہر مذہب میں ہے مثلاً توریت میں یہودی اور عبری کو اس کا مستحق بتایا گیا ہے: اور انجیل میں نصرانی کو (وقالوا لن تمسنا النار الا ایاماً معدودات) اور قرآن مجید میں مسلمانوں کو یہ شرف عطا ہوا ہے۔

اس کے بعد شاہ صاحب فرماتے ہیں :۔ یہ جو شفاعت انبیاء کا وعدہ ہے۔ اس کا مدار خدا تعالیٰ اور محشر پر ایمان لانے اور اس رسول کی جو اُن میں مبعوث کیا گیا، تابعداری کرنے، مشروعات مذہبی پر عمل کرنے اور منہیات سے اجتناب کرنے پر ہے۔ اور یہ ہرگز کسی فرقے کی ذاتی خصوصیت نہیں۔ لیکن اس کے باوجود یہودیوں کا گمان ہے کہ جو شخص یہودی یا عبری ہوگا، وہ ضرور جنتی ہوگا۔ شفاعت انبیاء

اسے دوزخ سے نجات دلوائے گی۔ اور وہ چند روز سے زیادہ دوزخ میں نہ رہے گا، خواہ وہ عملاً اس کا استحقاق نہ بھی رکھے۔

اس سلسلے میں شاہ صاحب کا آخری ارشاد یہ ہے:۔

چونکہ قرآن مجید تمام کتب سابقہ کا محافظ اور ان کے اشکالات کو واشگاف کرنے والا ہے اس لئے اس نے اس گرہ کو پوری طرح کھول دیا ہے۔ بلی من کسب سیئۃ واحاطت بہ خطیئتہ فاولئك اصحاب النار ھم فیہا خالدون (ہاں جس نے بدی کمائی۔ اور اس کی خطاؤں نے اسے گھیر لیا۔ تو ایسے ہی لوگ دوزخی ہیں۔ وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے)

اگر قرآن مجید کا مطالعہ اس نظر سے ہو، تو ایک مسلمان کے کسی خاص فرقے سے انتساب کو جو اس قدر اہمیت دی گئی ہے اور صرف اس انتساب کو ہی نجات کی دلیل مانا جاتا ہے، یقیناً اس رجحان میں کمی ہو گی، اور زیادہ زور صالح عمل پر دیا جائے گا۔ دوسرے موجودہ انفرادی و اجتماعی مفاسد کے ازالے کے لئے نہ صرف قرآن مجید سے ہدایت ملے گی، بلکہ اس امر کی تحریک بھی ہو گی کہ ہم اس کے لئے نئی سے نئی راہیں تلاش کریں۔ اور اس زمانے کے حالات و کوائف کے مطابق اور آج کی ضرورتوں کو پیش نظر رکھ کر اس سلسلے میں جدید طریقوں سے کام لیں۔

نفوس بشریہ کا تزکیہ اور ان کی تہذیب، یہ قرآن کا مقصد اصلی تھا، لیکن اس کے لئے صرف دعوت دینا اور ارشاد و تلقین کرنا کافی نہیں ہوتا۔ تزکیہ و تہذیب نفوس کے لئے باطنی عوامل کے ساتھ ساتھ خارجی عوامل بھی ضروری ہوتے ہیں۔ چنانچہ قرآن نے تدبیر منزل اور سیاست مدن سے بھی بحث کی۔ اور رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کی روشنی میں ایک صالح معاشرہ، ایک متوازن نظام معیشت اور ایک عدل و انصاف پر مبنی مملکت کی تشکیل کی۔ اس صالح معاشرہ، اس متوازن نظامِ معیشت اور اس عدل و انصاف پر مبنی مملکت کی جو ظاہری علامات تھیں جو یقیناً اس زمانے کی ضرورتوں کے لحاظ سے تھیں، ان پر زور دینا اور ان کے پیچھے جو حقیقی روح اور اصل مقصد تھا، اسے نظر انداز کرنا صحیح نہیں، قرآن مجید نے اس قسم کی ظاہری تقلید کو جس میں سرے سے روح نہ ہو، یہودیوں کا خاصہ بتایا ہے۔ اور اس کی بہت سخت الفاظ میں مذمت کی ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحب کے الفاظ میں" اس مسئلے میں حق یہ ہے کہ نبوت دراصل نفوس عالم کی اصلاح

اور عادات و عبادات کی درستی چاہتی ہے۔ وہ نیکی اور بدی کے اصولوں کو ایجاد کرنے کا منصب نہیں رکھتی۔ قاعدے کی بات ہے کہ ہر ایک قوم اپنی عبادات، تدبیر منزل اور سیاست مدن میں خاص عادات کی پابند ہوتی ہے۔ اگر نبوت ایک قوم میں آئے تو وہ ان کی تمام قدیم عادات کو اکھاڑ کر ان کی بجائے جدید اصول قائم نہ کرے گی بلکہ اس کا یہ کام ہوگا کہ وہ ان خصائل کو متمیز کر دے جو خدا کی مرضی کے موافق ہوں۔ چنانچہ وہ اُن کو جاری رہنے دے اور جو خصائل اس کی مرضی کے خلاف ہوں، ان میں بقدر ضرورت تغیرات کرے۔

قرآن مجید نے ہمیں تدبیر منزل اور سیاست مدن کے بنیادی اصول دیئے ہیں۔ ان کی حیثیت عمومی کلیات کی ہے۔ ان اصولوں پر دَورِ رسالت و خلافت راشدہ میں ایک معاشرہ اور ایک مملکت وجود میں آئی، جو ہم مسلمانوں کے نزدیک ایک مثالی معاشرہ اور مثالی مملکت تھی۔ رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی ایک پوری زندگی ہے، جس میں زندگی کی ہر جہت اور ہر رُخ جلوہ گر ہے۔ اور ہر شعبے کے لئے نمونہ موجود ہے۔ آپؐ کی پیغمبرانہ زندگی کا آغاز تبلیغ و دعوت سے ہوتا ہے۔ وہ لوگوں کو ایک اللہ پر ایمان لانے اور نیک کام کرنے کی تلقین فرماتے ہیں۔ کچھ لوگ اس دعوت کو قبول کرتے ہیں۔ آپؐ ان پر مشتمل ایک نئے معاشرے کی بنیاد رکھتے ہیں۔ اس معاشرے کو ایک طرف باہر سے ہر طرح کی مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور دوسری طرف اس کا داخلی ارتقاء درجہ بدرجہ آگے قدم بڑھاتا ہے۔ اس کے ارکان کی تعداد بڑھتی ہے۔ اور اس کی ترکیب و تشکیل ترقی کی منزلیں طے کرتی ہے۔ مکّہ سے ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں یہ معاشرہ اپنی ایک مملکت کو وجود میں لاتا ہے۔ یہ مملکت اپنے داخلی استحکام اور باہر سے ہونے والے حملوں سے دفاع کے سلسلے میں ہر طرح کی تدابیر اختیار کرتی ہے۔ ایک ایک کر کے اس کے سارے مخالف زیر ہو جاتے ہیں۔ اور نہ صرف مکّہ فتح ہوتا ہے بلکہ سارا جزیرہ عرب اس مملکت کے اقتدار کو تسلیم کر لیتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی عرب سے باہر کی بڑی بڑی سلطنتوں سے اس مملکت کو واسطہ پڑتا ہے اور وہ بین الاقوامی تعلقات قائم کرتی ہے۔ یہ مملکت جنگیں بھی لڑتی ہے اور صلح کے معاہدے بھی کرتی ہے، نظم و نسق بھی چلاتی ہے اور فلاحی خدمات بھی سر انجام دیتی ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ تزکیۂ نفوس کا عمل جاری رہتا ہے۔ اور معاشرہ اور مملکت اس کا عملی بروز ہوتی ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تئیس سال کی جدوجہد، جس کا آغاز قرآن مجید کے "اقرأ باسم

ربك الذى خلق "کے حکم سے ہوا، اور" الیوم اکملت لکم دینکم" نے اس کی تکمیل کر دی۔ اس کے ہر مرحلے میں قرآن مجید سے برابر اسے رہنمائی ملتی رہی۔ اسی طرح اس جدوجہد کے نتیجے میں جو معاشرہ اور مملکت بروئے کار آئی، قرآن مجید ان کے لئے بھی مشعل ہدایت رہا۔ اس اعتبار سے قرآن مجید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کی پوری آئینہ داری کرتا ہے اور آپؐ کی زندگی کے تمام مراحل پر بھی حضرت عائشہؓ کا وہ جواب صادق آتا ہے جو انھوں نے ایک شخص کے اس سوال پر کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے بارے میں ہمیں کچھ بتایئے، دیا تھا کہ آپؐ کے اخلاق کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔

قرآن مجید کا اس طرح سمجھنا اور سمجھانا اور رسالت مآب علیہ الصّلوٰۃ والسلام کی سنت اور اسوہ کا اس طرح مطالعہ کرنا، اسے اپنانا اور اسے اپنے لئے نمونۂ عمل بنانا، دوسرے لفظوں میں پیش نہاد مسائل کے پس منظر میں قرآن اور سنت پر غور و خوض کرنا اور ان سے پوری زندگی کے لئے ہدایت چاہنا، آج ہماری بنیادی ضرورت ہے۔ اس سے جہاں مسلمان فرقوں کے آپس کے نظری اور اعتقادی اختلاف کم ہوں گے اور ان کے اندر اجتماعیت کا شعور ابھرے گا، وہاں وہ قرآن و سنت سے انفرادی، اجتماعی، ملی بلکہ کل انسانی زندگی کے لئے رہنمائی حاصل کر سکیں گے۔

عمل ایک تو حقیقت پسند بناتا ہے۔ دوسرے عمل سے دماغ خیالی فتنوں سے بچا رہتا ہے۔

قرآن مجید جب نازل ہوا، تو دنیا مذہبی، سیاسی، معاشی، سماجی اور گروہی تفرقوں میں پس کر نڈھال ہو چکی تھی۔ اس نے پوری انسانیت کو مخاطب فرمایا اور بتایا کہ اس پوری کا خالق و پروردگار ایک ہے۔ اس کی فوز و فلاح کے ایک سے اصول ہیں۔ اور وہ ذلت و نکبت کے گڑھے میں انہیں اصولوں کی خلاف ورزی کر کے گرتی ہے۔ اس میں کسی مذہب، قوم، نسل یا رنگ کا امتیاز نہیں۔ یہودی خواہ لاکھ انبیاء کی اولاد ہوں، لیکن اگر وہ ان اصولوں پر نہیں چلتے تو ان کی یہ تاریخی فضیلت کسی کام نہیں آئے گی۔

یہ تھی قرآن کی بنیادی دعوت۔ ایک اللہ۔ ایک ہی اس کی پیدا کی ہوئی انسانیت، اور اس انسانیت کے لئے ایک سے اصول، جن میں کسی سے رو رعایت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جس نے ذرہ بھر نیکی کی، اس کا اجر اسے لازماً ملے گا۔ اور جس کے نامۂ اعمال میں برائی ہوئی، اس کا خمیازہ اسے لامحالہ بھگتنا پڑے گا۔

اس دور میں قرآن مجید کی یہ دعوت محض نظری نہیں رہی۔ رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور

آپؐ کے جانشینوں نے اسے ایک عملی نظام کی شکل دی، جو زندگی کے سب شعبوں پر حاوی تھا۔ اس نظام سے انسانی تاریخ کا ایک نیا دور شروع ہوا۔ اس کی بدولت ایک بہت بڑی انسانی جمعیت وجود میں آئی جس میں مذہب، نسل اور رنگ کی بنا پر کسی کے ساتھ ظلم نہیں ہوتا تھا۔ ہر مذہب کو آزادی تھی کہ وہ قانون کی حدود میں رہ کر اپنے مراسم ادا کرے۔ ملک، قوم، رنگ اور نسل پر انسانوں کی تقسیم نہیں کی جاتی تھی۔ سب قومیں اس انسانی جمعیت میں شامل ہوئیں اور سب تہذیبوں نے اسے اپنی اپنی حیثیت کے مطابق پُرمایہ بنایا۔ سب مذاہب اس کے دامن میں پناہ حاصل کر سکے۔ اور انھوں نے ایک دوسرے کے ساتھ پُرامن طریقے پر رہنا سیکھا۔

انسانیت کو آج پھر اسی طرح کی ایک وسیع جمعیت کی ضرورت ہے، ورنہ اس کا مستقبل مخدوش ہے۔ قرآن مجید اِس زمانے میں بھی وہی معجزہ دکھا سکتا ہے، جو اس نے چند صدیاں پہلے دکھایا تھا۔

فروری کے مہینے میں راولپنڈی میں ادارہ تحقیقات اسلامی کے زیرِ اہتمام نزول قرآن کی چودہ سو سالہ تقریب کے سلسلے میں ایک عالمی اجتماع منعقد ہو رہا ہے، جس میں پاکستان کے علماء دین اور اصحاب علم و فکر کے علاوہ بہت سے دوسرے ممالک کے علماء و فضلاء بھی تشریف لا رہے ہیں۔ کوشش یہ کی گئی ہے کہ یہ اجتماع مسلمانوں کے ہر خیال اور ہر مسلک کے اہل علم کا نمائندہ ہو۔ اور اس میں ان تمام مسائل پر جو آج پوری ملتِ اسلامیہ کو درپیش ہیں، غور و فکر کیا جائے۔ اور ان کے بارے میں دنیا بھر کے چیدہ حضرات آپس میں تبادلۂ خیالات کریں۔

اس طرح کے عالمی اجتماع اور مسلمان ملکوں میں بھی ہوتے رہتے ہیں اور ان میں پاکستان کے علماء بھی شریک ہوتے رہے ہیں۔ یہ اجتماع اُن بڑے مسائل کا جو آج مسلمانوں اور دنیا کو درپیش ہیں، حل ڈھونڈنے میں کامیاب ہوئے ہیں یا نہیں، اس سے بحث نہیں، لیکن یہ واقعہ ہے کہ اس طرح کے عالمی اجتماعات اور ان میں ہر ملک اور ہر خیال کے علماء و فضلاء کے باہم تبادلۂ خیالات سے ان مسائل کے بارے میں اہلِ علم میں صحیح شعور پیدا ہوتا ہے اور اس طرح ان کا حل ڈھونڈنے کی راہ ہموار ہوتی ہے۔

ہمیں امید ہے اس لحاظ سے ادارۂ تحقیقات اسلامی کا یہ عالمی اجتماع ملت اور پاکستان کی ایک بڑی خدمت سرانجام دے گا۔